IJAER/Nov-Dec 2022/Volume-11/Issue-6 ISSN: 2278-9677
International Journal of Arts & Education Research

کرناٹک کی چارخواتین فکشن نگار

از۔ ڈاکٹر الیاس احمد ۔پٹویگر۔ اسسٹنٹ پروفیسر۔ شعبہ اردو۔ نہرو ڈگری کالج، ہبلی کرناٹک

ریاست کرناٹک میں اردو فکشن نگاری کی ۷۵ سالہ تاریخ میں ناول اور ڈرامے کے مقابلے افسانہ نگاری کو کافی مقبولیت حاصل ہے۔اس ادبی سفر میں محض ۱۲ ناول نگار اور کم و بیش ۶ ڈرامہ نگار ملتے ہینجبکہ تقریباً ۱۶۰ چھوٹے بڑے افسانہ نگار ادبی منظر نامے پر نظر آتے ہیں۔ یہاں ناول نگار،ڈرامہ نگار اور افسانہ نگاروں میں واضح تفریق ممکن نہیں کیونکہ ان میں سے اکثر فکشن نگاروں نے افسا نہ، ناول اور ڈرامہ کی طرف توجہ دی تا ہم ان میں سے ا کثر نے افسانہ نگاری میں اپنا مقام بنا لیا۔اولین فکشن نگارہ میمونہ تسنیمؔ سے لے کر انل ٹھکرؔتک تمام نے اپنے تخلیقی سفرا کا آغاز افسانہ نگاری سے ہی کیا۔

فکشن نگاروں نےبرِ صغیر کی سطح پر اپنی ایک منفرد شناخت بنائی۔میمونہ تسنیمؔ،محمود خاں محمودؔ بنگلوری، ؔعبدالقادر سوداگر نظامیؔ،تاج النساء تاج، سلیم تمنا ئی ، یو سف عا رفی ، عصمت عذراؔ،حسنیٰ سرورؔ،خالد انجمؔ،نعیم اقبالؔ،ملا عبدالغنیؔ،پروفیسر ابوالتراب خطائی ضامنؔ،فرحت کمالؔ،فریدہ رحمت اللہ خان،قاضی انیس الحقؔ،خلیل فتحؔ اور انل ٹھکرؔ ایسے نمائندہ فکشن نگار ہیں جنھوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا اورنا ول نگا ری کی طر ف بھی تو جہ دی ۔سلیم تمنائیؔ،شکیل جاویدؔ،انل ٹھکراورسلیم تمنا ئیؔ چند ایسے اہم فکشن نگار ہیں جنھوں نے ڈرامہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔چو نکہ ا فسا نہ نگا رو ں کی خا سی تعداد ہے اور ان مین سے اکثر فکشن کے تینو ں اصنا ف میں طبع آزما ئی کی ہے لیکن یہانچند ایسے منتخب فکشن نگا روں کے حا لا ت قلمبند کئے گئے ہیں جن کا ریا ست کی فکشن نگا ری اور اردو دنیا میں اپنی ایک الگ شناخت بنائی ہے۔

میمونہ تسنیم کو ریاست کرناٹک کی اولین فکشن نگارکہا جاتا ہے اصل نام میمونہ بیگم اور میمونہ تسنیمؔ قلمی نام ہے۔شاعری میں تسنیمؔ آپ کا تخلص ہے۔آپ ملناڈ کے ایک علم پرور گھرانے میں ۵ فروری۱۹۲۰ء کو منگلور میں پیدا ہوئیں۔والد کا نام عبدالکریمؔ اور والدہ کا نام سیدہ لطیفہ بانوؔ ہے۔آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ابتدائی تعلیم منگلور میں ہوئی،جب والد ملازمت کے سلسلے میں ہاسن آئے تو یہیں سکونت اختیار کرلی۔ جو ن 2015 میں 95 سا ل کی عمر میں ان کا انتقا ل ہوا۔

گھر کے علمیو ادبی ماحول نے آپ کو بچپن سے ہی سازگار ادب فضا فراہم کی والد روشن خیال اور حصول علم کی اہمیت سے واقف تھے۔محکمہ ء ڈاک سے وابستگی کے سبب مختلف ادبی و مذہبی رسائل کی دستیابی آسانی سے ہوجاتی تھی۔میمونہ تسنیمؔ کے والدین نے اپنی اولاد کومدیر کے نام خط میں اپنے تاثرات روانہ کرتی۔رسالے میں خطوط کی اشاعت سے حوصلہ ہوئی اور مزید لکھنے کی ترغیب ملی۔

میمونہ تسنیمؔنے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت زبان و ادب کا شوق ادب کے مروجہ مراکز کے برابر یہاں بھی تھا۔بمبئی،کولکتہ،دہلی،لکھنوء کے علاوہ پنجاب کے ادبی مراکز سے طویل فاصلے کے باوجود یہاں کا ادبی ذوق اہلِ زبان سے کسی بھی طرح کم نہیں تھا۔ہاسن کے اکثر فن کاروں کا شمال کے اساتذائے فن سے قلمی مراسم تھے۔

البتہ ریاست کے دیگر علاقوں کی طرح یہاں بھی لڑکیوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کا رواج عام نہیں تھا۔کیونکہ ساتویں جماعت تک زنانہ اسکول موجود تھے اس لئے لڑکیوں کی ساتویں تک تعلیم بآسانہ ہوجاتی تھی تاہم اس کے بعد تعلیم حاصل کرنے کا مرحلہ بڑا مشکل تھا۔میمونہ تسنیمؔاس علاقے کی پہلی لڑکی تھیں جو گھروالوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کے سبب میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔انہیں سماجی خدمت کے علاوہ اور ادبی ذوق ورثے میں ملا ہے اس جذبے نے اردو زبان و ادب کی خدمت کے لئے آپ کو ہمیشہ سرگرم رکھا۔اردو زبان کی عملی خدمت کے لئے ہاسن میں''مہرالنساء ماڈل اسکول''کا آغاز کیاجہاں پہلی سے ساتویں جماعت تک بچوں کو اردو زبان کے علاوہ عربی،انگریزی،کنڑ اور ہندی زبان سکھائی جاتی ہے ۔صحت مند معاشرے کی تعمیر میں خواتین کی اہمیت کے پیش نظر خصوصاً ہاسن کی خواتین میں تعلیمی شعور پیدا کرنے میں آپ نے متعدد اقدامات کئے۔خواتین کی فلاح و بہبودی کے لئے انجمن اصلاح نسوان کی بنیاد ڈالی ۔باوجود پیرانہ سالی کے آپ''مہرالنساء اسکول''کی اعزازی پرنسپل اور''انجمن اصلاح نواں''کی جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے زبان و ادب اور قوم و ملت کی خدمت کی۔

میمونہ تسنیمؔ کو بچپن سے ہی ادبی رسائل کے مطالعہ کا شوق تھاآپ کے اساتذہ مولوی ذکا ء اللہؔ اور محترمہ صغیر النساءؔ بیگم نے اردو ادب کے مطالعے کی ترغیب دلائی۔ماموں محمد عباسؔ کی ادبی اور دینی کتب سے آراستہ لائبریری نے آپ کے مطالعے کے شوق کو جلا بخشی وہیں والد صاحب نے مطالعے کے ذوق کو دیکھتے ہوئے آپ کی بھر پور حوصلہ افزائی کی۔

ادبی رسائل اور کتب کے مطالعے نے آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کو مہمیز کیا۔چنانچہ اسکول کے زمانے ہی سے آپ نے لکھنے کا آغاز کیا۔آپ کے مضامین ،کہانیاں، لطیفے اور پہیلیاں رسالہ،''ہونہار''دہلی میں شائع ہوتے رہے۔''ہونہار''میں شائع ہونے والے انعامی ادبی معمے میں بھی آپ نے حصۃ لیا۔ایک معمے میں آپ کو پہلا انعام ملا۔میمونہ تسنیمؔکے اس ادبی ذوق کو دیکھتے ہوئے رسالہ''ہونہار''کے سالنامے میں اختر انصاریؔ(علیگ)نے''میسور کی ایک ہونہار بہن''کے عنوان سے آپ پر ایک دلچسپ مضمون شائع کیا۔

آپ نے ایک بین الاقوا می مشاعرے میں شرکت کی اور حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ پر لکھی اپنی نظم''سلطان شہید کے مزار پر''سنائی جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔بی بی سی کی مقامی سرویس میں آپ کا کلام اور انٹرویو بھی نشر ہوا۔موجودہ تحقیقات کی بنیاد پر ہم میمونہ تسنیم کو ریاست کی اولین افسانہ نگار کہہ سکتے ہیں۔میمونہ تسنیم نے ۱۹۳۸ء میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔یہ وہ زمانہ تھا جب غیر مقیم ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کو قبول عام کا درجہ حاصل تھا، اور اس کے ردعمل کے طور پر''حلقہ ارباب ذوق''بھی ادبی منظر نامے پر ابھر چکا تھا۔ان دونوں نظریات سے گریز کر تے ہوئے میمونہ تسنیمؔ،سجادہ حیدر یلدرمؔ کے رومانی اسکول سے وابستہ ہوئیں۔مولانا راشدالخیریؔ اور ایم اسلم ؔکیرنگ میں افسانے لکھنے کا آغاز کیا۔

میمونہ تسنیمؔکا پہلا افسانہ''آہ مظلوماں'' ۱۹۳۸ء میں ہفتہ وار ''اخبار خاتون''ممبئی میں شائع ہوا۔یہ تخلیقی سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔تقریباً ۱۶ افسانے ''شعاع اردو''(کراچی)،''اخبار خاتون''(ممبئی)،اور''خاتون مشرق''(دہلی) مین شائع ہوئے ۔''شعاع اردو''میں آپ کے ساتھ جن دیگر خاتون افسانہ نگاروں کی تخلیقات شائع ہوئی تھیں ان میں خدیجہ مستورؔ،ہاجرہ مسرورؔاور محمودہ رضویہؔ قابل ذکر ہیں۔اردو کی ان مایہ ناز افسانہ نگاروں کے ساتھ کراچی کے ایک معیاری ادبی رسائل میں آپ کی تخلیقات کی اشاعت آپ کی تخلیقی صلاحیت اور انفرادیت کی زندہ مثال ہے۔''زدو پشماں''،نقش وفا''،مامتا''،منزل''،کنٹرول'' اور چوڑیاں ''آپ کے نمائندہ افسانے ہیں۔میمونہ تسنیمؔ کو ملناڈ کے رومان پرور ماحول بے انتہا انسیت تھی۔آپ کے ناول افسانے اور شاعری میں ملناڈ کے مختلف مناظر کی فطری عکاسی ملتی ہے۔

سیدہ اخترؔکا شمار ریاست کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ریاست کے ادبی حلقونمیں شاعرہ کی حیثیت سے ہوئی مقبولیت آج بھی باقی ہے۔ریاست میسور کی تاریخ میں آپ نے اپنی نوعیت کا منفرد ہند مشاعرہ منعقد کیا،جس میں حضرت سلیمان سیماؔبآکبرآبادی اور حضرت جلیلؔ مانکپوری جیسے جلیل القدر شعراء نے شرکت کی تھی۔سیدہ اخترؔ کے افسانے روایتی نوعیت کے ہیں۔ آپ نے بیسویں صدی کے چوتھے دہے میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔افسانوں کا مجموعہ ''ستارے''۱۹۴۳ء میں شائع ہوا۔سیدہ اخترؔ کو ترقی پسندی کے زیر اثر اردو ادب میں ہونے والے :نظریاتی تغیرات کا مکمل درک تھا۔وہ افسانوں کے مجموعہ میں شامل دیباچہ میں اس کااظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں

افسانہ نگار کہ جو وقت کی آواز کو نہیں سنتے ،سماج کی''

ضرورتوں کا احساس نہیں کرتے اور ان کے دل و

دماغ رات دن گناہ کی راتیں ،دس کنوریوں کی

داستان خالص،جیسے افسانے مرتب و تنصیف کرنے

میں مصروف رہتے ہیں۔حالانکہ ضرورت ہے اس وقت

آزادی،انقلاب،مزدور،سرمایہ داری کی لعنت،بیوہ،

سماج کی خرابیاں ،غریب کی بھوک وغیرہ ضروری

''عنوانات پر دلچسپ اور مؤ ثر افسانے لکھنے کی۔

{ارباب نظر سے:ستارے:مصنفہ:سیدہ اختر:صفحہ ۴ }

سیدہ اخترؔ نے عصری تقاضوں کی ترجمانی میں افسانے کی اہمیت اور افادیت کو بیان کیا، لیکن جب خود افسانے لکھے تو افسانے کے لئے طے شدہ خود اپنے ہی اصولوں کی پابندی نہیں کرسکیں۔افسانوں پر سر سید کا اصلاحی پہلو اور طرز تحریر کا عنصر غالب ہے،با وجود شعوری

کوشش کے آپ کے افسانے سجادحیدرؔ گروپ کے رومانی سے آزاد نہیں ہوسکے۔

قیدی،مغالطہ،جامن کا درخت،اور سودیشی خواب اس کی مثال ہینان افسانوں کے عنوانات تو ترقی پسندی کے حامل ہینلیکن تھیم ان کے نظر آتا ہے۔متذکرہ تمام افسانوں میں''خیر''اور ''شر''کو مختلف زاویوں سے بیان کیا گیا ہے۔آپ کے تقریباً تمام افسانوں میں تصور کا اختراع خیر اور شر کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔''خیر''کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو سیدہ اخترؔ کے رشحات قلم نے ہمیشہ ''خیر''کو ''شر''پر فتح

دلائی۔''قیدی ''اس ضمن میں قابل ذکر افسانہ ہے۔افسانوں کی زبان شمالی رنگ کی مظہر ہے۔بیانیہ اسلوب میں لکھے گئے آپ کے افسانے داستان گو کی زبانی سنی جانے والی کہانی نظر آتے ہیں۔افسانوں کے کردار کہیں پوری طرح چاق و چوبند نظر آتے ہیں تو کہیں نیم مردہ لگتے ہیں۔فاضل مصنفہ نے کرداروں کو کہیں اظہار خیال کی آزادی دی تو کہیں نوک قلم سے جکڑے اپنی مرضی کے مطابق افسانے کے انجام تک انہیں کھینچ لاتی ہے جس سے افسانے کی تحیر زائی اور اس کا تاثر اتی عنصر دیرپا ثابت نہیںہوتا۔

افسانے مزدوروں کے مسائل ،سرمایہ داری کی لعنت انقلاب اور غریبوں کی افلاس زدگی کے ترجمان تو نہیں البتہ اس میں سماجی برائیوں اور معاشرے پر اس کے منفی اثرات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔عصری مسائل اور حالات سے یگانگی اور مشاہدے کا فقدان ہے۔چونکہ سیدہ اخترؔ کا تعلق معاشرے کے اعلیٰ طبقے سے تھا اور غریب اور کچلے ہوئے طبقوں سے تعلق''برائے نام''نوکر اور مالک کی حد تک تھا،اس لئے افسانوں میں ان طبقات کے مسائل کی موثر عکاسی نہیں ہوسکی۔پریم چندؔاور ان کے جانشینوں کی طرح اگر سیدہ اخترؔ کو بھی ہندوستان کی تقریباً اسّی فیصد آبادی والے غریب افراد کی زندگیوں کے گہرے مشاہدے کا موقع ملتا تو شاید ان کے افسانے ان طبقوں کے مسائل کے مؤ ثر ترجمان بن جاتے ہیں۔

بلا شبہ سیدہ اخترؔ ایک با شعور شاعرہ او رادیبہ تھیں،انہیں ادب میں رونما تغیر اور تبدیل کا مکمل درک تھا۔دیباچہ''ارباب نظر سے''میں آپ نے ادب کی صورتحال اور سماجی و معاشرتی حالات کا ذکر تو کیا ہے لیکن افسانوں میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے قدرے ہچکچاہٹ کا شکار ہیں،اور افسانونمیں ان خیالات کی صرف پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔افسانوں پر سر سیدؔ کا اصلاحی رنگغالب نظر آتا ہے۔قوم کی تعمیر میں ادب کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے آپ کہتی ہیں

'' لٹریچر سے قوم بنتی ہے،لٹریچر سے قوموں کو جانا پہچانا جاتاہے، لٹریچر ہی سے قومیں حیات جاودانی پاتی ہیں۔''

{ارباب نظر سے:ستارے: مصنفہ:سیدہ اخترؔ:صفحہ ۴ }

ستارے'' میں شامل تمام بیس افسانوںپر یہی رنگ غالب نظر آتا ہے۔آپ نے رومانی پس منظر میں لکھے گئے ان افسانوں میں جذبۂ '' حب الوطنی ،ایثار و قربانی اور واردات قلبی کو داستانوی پیرائے میں بیان کیا ہے۔

ممتاز شیریںریاستِ میسور میں ہی نہیں بلکہ اردو دنیا میں فکشن کے حوالے سے اپنے آپ میں ایک عہد کا درجہ رکھتی ہے۔آپ ریاست کے تاریخی شہر میسور میں ۱۲ دسمبر ۱۹۲۴ ؁ء کو پیدا ہوئیں۔آپ کا تعلق ایک علم پرور اور روشن خیال گھرانے سے تھا۔دادھیال اور ننھیال دونوں کا تعلق''چیلور''ہندو پور تعلقہ سے تھا۔والد کا نام قاضی عبدالغفور خان تھا۔ممتاز شیریںؔ کی تعلیم و تربیت میں والد کا کافی عمل دخل رہا۔خود ممتاز شیریںؔ نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ابتدائی تعلیم حسبِ روایت گھر پر ہوئی۔ہندو پور میں اسکولی تعلیم حاصل کی۔ہائی اسکول اور ہائر سیکنڈری تعلیم بنگلور میں مکمل کی یہ وہ دور تھا جب ریاستِ میسور قدرتی وسائل سے مالا مال دیوان سرمرزااسماعیل اور دیوان بھارترتنا سرایم ویشویشو ریاؔ جیسے مدبر اور ذہین ہستیوں کی قیادت اور کرشنا راجا وڈیر کی حکمرانی میں صنعتی ترقی،معاشی استحکام اور خوشحالی کے سبب ملک میں ماڈل ریاست کی حیثیت سے مشہور تھا۔

راجہ کرشنا راج وڈیر نے اپنی رعایا کو تمام تر سہولیات مہیا کی تھیںملک کی دیگر ریاستوں کے مقابلے میں ریاستِ میسور تعلیمی میدان میں بہت آگے تھا۔مسلم گھرانوں میں تعلیم کے فروغ کی خاطر خصوصی اقدامات کئے گئے۔خصوصاً لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے سازگار ماحول فراہم کرنے کی خاطر لڑکیوں کے لئے علیحدہ مدارس کا آغاز کیا گیا تھا۔اس طرح کے سازگار ماحول سے استفادہ کرنے والے مسلم گھرانوں میں ممتاز شیریںؔ کا گھرانا بھی پیش پیش تھا۔چنانچہ ممتاز شیریںؔ کے والد نے بھی اپنی اولاد کو اعلی تعلیمی مواقع فراہم کرتے ہوئے ممتاز شیریںؔ کو کالج میں داخلہ دلوایا اور یوں آپ نے ۱۹۴۱ ؁ء میں مہارانی کالج میسور سے بی اے مکمل کیا۔گریجویشن کی تکمیل کے بعد ۲۳ اگست ۱۹۴۲ ؁ء کو ممتاز ادیب صمد شاہینؔ سے شادی ہوئی۔شادی کے بعد کچھ عرصے بنگلور میں مقیم رہیں۔بنگلور میں قیام کے دوران شوہر کی حوصلہ افزائی سے آپ نے اپنی ادبی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔۱۹۴۲ ؁ء کے دوران صمد شاہینؔ کے تعاون سے سہ ماہی ادبی جریدے''نیا دور''کا آغاز کیا۔یہ جریدہ جنوبی ہندوستان سے شائع ہونے والا اپنی نوعیت کا منفرد ادبی جریدہ تھا۔

اردو کے مسلمہ ادبی مراکزسے دور ہونے کے باوجود''نیا دور''کے فکر انگیز مضامین نے اردو کے اکا براد باء اور شعراء کو اپنی طرفمتوجہ کیا۔جریدے میں شامل ادبی بحث و مباحثے میں اس دور کے نامور فن کاروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔جریدے کے اولین شمارے میں شامل مضمون''۱۹۴۳ ؁ء کے افسانے ''اس ضمن میں قابل ذکر ہے۔بنگلور میں تقریباً پانچ سال تک قیام رہا۔تقسیم ہند کے بعد شوہر کے ساتھ پاکستان منتقل ہوگئیں۔یہاں ۱۹۵۴ ؁ء میں کراچی یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا۔کچھ عرصہ تک آکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی زیر تعلیم رہیں۔معاشیات،عمرانیات اور نفسیات آپ کے اختیاری مضامین تھے اور ان موضوعات پر آپ کی گہری نظر تھی آپ کو اردو انگریزی زبان و ادب خصوصاً مغربی ادب پر آپ کی گہری نظر تھی۔کراچی میں قیام کے دوران بھی ادبی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔صمد شاہینؔ کی ملازمت کے دوران ۱۹۵۸ ؁ء سے ۱۹۶۷ ؁ء تک مختلف ایشیائی اور یورپی کے دورہ کر نے کا موقع ملا۔ان ممالک کے دورے سے آپ کے ادبی ذوق کو کافی جلا ملی۔۱۹۶۷ ؁ء کے بعد مستقلاً پاکستان کے شہر اسلام آباد میں سکونت اختیار کرلی۔۱۹۷۲ ؁ء میں سرطان کے مرض کا شکار ہوگئیں۔طویل عرصے تک بیمار رہنے کے بعد ۱۱ مارچ ۱۹۸۳ ؁ء کو یہیں انتقال کر گئیں۔

ممتاز شیرینؔ اردو افسانے کی تاریخ میں ایک عہد ساز مقام کی حامل ہیں۔پاکستان منتقلی کے باوجود آپ کاتخلیقی سفر ریاست کی ادبی

فضاؤں میں پروان چڑھاتھااس لحاظ سے آپ کا شمار ریاست کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ممتاز شیرینؔ نے اپنی تنقیدی اور فنی بصیرت کے ذریعہ اردو کے عالمی حلقوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔آپ نے بحیثیت مدیر،افسانہ نگار،نقاد اور مترجم جو کچھ لکھا وہ اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہے۔دو ماہی ادبی جریدے''نیا دور''کا اجراء اردو ادب کے فروغ میں سنگِ میل کہا جاسکتا ہے۔ ممتاز شیرینؔ نے اپنے ادبی سفر کا آغاز ایک ایسے دور میں کیا تھا جب ترقی پسندی کے نعرے ادب کے تقریباً ہر گوشے سے سنائی دے رہے تھے۔تاہم آپ نے ابتداء ہی سے میانہ روی اختیار کرتے ہوئے کسی بھی طرح کے ازم،تحریک یا نعرے بازی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنی ایک الگ ادبی روش اختراع کرتے ہوئے اردو ادب میں اپنا ایک منفرد مقام بنایا۔

ممتاز شیرینؔ نے زمانہ طالب علمی مینتراجم سے افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔آپ نے ۱۹۴۱ء میں کنڈ اافسانے کے بانی ماستی وینکٹیش آینگار کے دو افسانوں''آہینو''اور''مسرینا منگما''کا التریتب''وہ عورت''اور''دہی والی''کے عنوان سے اردو میں ترجمہ کیا۔اس کے بعد طبع زاد افسانوں کی طرف توجہ د ی۔''انگڑائی''آپ کا پہلا طبع زاد افسانہ ہے جو ۱۹۴۳ء میں ''ساقی''میں شائع ہوا۔ بحیثیت نقاد افسانہ نگاری کی سمت و رفتار پر تجزیاتی مضمون''۱۹۴۳ء کے افسانہ نگار''اور افسانے کے فن،اسلوب اور ہیئت پر لکھا گیا مضمون''تکنیک کا تنوع''افسانہ نگاری کی تنقید میں رہنما اور معرکتہ الاراء مضامین شمار ہوتے ہیں۔تنقیدی مضامین پر مشتمل تصنیف''معیار'' آپ کی خداداد تنقیدی صلاحیتوں کا بین ثبوت ہے۔دو افسانوں کے مجموعے ''اپنی نگریا''اور''میگھ ملہار''شائع ہوئے۔ممتاز شیریں کے مطابق ''اپنی نگریا''کے مقابلے میں میگھ ملہار کے افسانے زیادہ پختہ اور گہرے ذہن کے عکاس ہیں۔

Frustration ممتاز شیرینؔنے ایسے دور میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا جب شمال میں ان کی ہمعصر خاتون افسانہ نگار ایک طرح کے کا شکار گھریلو ماحول اکتاہٹ اور احتجاجی رویہ اختیار کئے ہوئے تھیں۔مگر ممتاز شیریں کی تخلیقات کسی بھی طرح کے احتجاجی رویے سے پاک،صحت مند،مطمئن اور خوشحال ماحول کی عکاسی کرتے ہیں جو انہیں بچپن سے ہی میسر تھا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے افسانوں میں زندگی کے صحت مند پہلوؤں کی عکاسی ملتی ہے۔آپ کے افسانوں میں زندگی روتی بلکتی نہیں بلکہ ہنستی مسکراتی نظر آتی ہے۔

ممتاز شیرینؔ کو افسانے کی تکنیک کا گہرا شعور تھا۔آپ کے افسانوں میں تکنیک پر خصوصی توجہ ملتی ہے آپنے بیانیہ اور علامتی دونوں طرز کے افسانے لکھے۔کردار مکالمے اسلوب اور منظر نگاری کے علاوہ کہانی کہنے کا ڈھنگ بڑا ہی اچھوتا اور نرالا نظر آتا ہے۔اپنی نگریا،آئینہ،انگڑائی،میگھ ملہار اور کفارہ ان خصوصیات کے حامل نمائندہ افسانے ہیں۔ ممتاز شیرینؔکے افسانے دراصل آپ بیتی ہونے کے باوجود جگ بیتی بن کر ہندوستانی عورت کے متنوع جذبات کی داستان بیان کرتے ہینان کے افسانوں کی عورت کہیں وفا شعاری کے جذبے سے سرشار ہے تو کہیں اولاد کے وجود سے اپنے تخلیقی منصب کو پورا کرنے کے لئے موت وزیست کے کرب ناک حالات کا پورے صبر و استقلال سے مقابلہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ممتاز شیرینؔافسانوں میں اس کا اظہار بڑی خوبصورتی سے کرتی ہیں۔

ان کی کہانیوں میں جنوبی ہندوستان کے خوش حال اور پرسکون ماحول کی کامیاب عکاسی کی ہے۔یونانی اور ہندو اساطیر کے علاوہ یورپ و ایشیاء کے تاریخی مقامات کے پس منظر کو بھی بڑی چابک دستی سے برتا ہے۔ممتاز شیرینؔنے کہانیوں میں عورت کے فطری جذبات کا اظہار صداقت اور سچائی کے ساتھ کیا ہے۔اکثر کہانیوں کا علامتی پیرایہ ابتدا ء میں الجھا ہوا سا لگتا ہے تاہم کہانی جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے علامتیں خود بخود واضح ہوتی چلی جاتی ہیں۔ان کہانیوں کا داستانی پیرایہ اور درمیانی کڑیوں میں آنے والے تخیلاتی محرکات اور بدلتے مناظر سے واقعاتی تسلسل ٹوٹتا ہوا نظرآنے کے باوجود آغاز سے انجام تک کہانی سے متعلق قاری کا تجسس اور کہانی کا انجام جاننے کے لئے اس کی کرید آخر تک برقرار رہتی ہے۔ مکالموں کا بے ساختہ پن،منظر کشی اور مناسب تشبیہات افسانوں کی فنی خوبی کو نکھار دیتے ہیں۔ایسے وقت میں جب کرناٹک میں اردو افسانہ ابھی گھنٹوں گھنٹوں بھی نہیں چل رہا تھا ان کے عالمی معیار کے افسانوں نے اردو افسانے کی ساکھ میں زبردست اضافہ کیا۔

آنسہ ابراہیم ؔروایتی افسانہ نگاری میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔مذہبی رنگ میں آپ کے افسانے اصلاحی نوعیت کے ہوتے ہیندیگر روایتی افسانہ نگاروں کی طرح آپ بھی قاری کو ''خیر''کی خوبیوں اور معاشرے پر''شر''کے منفی اثرات سے آگاہ کرتی ہوئی نظر آتی ہینافسانوں کا مجموعہ''زندگی کی بھول بھلیاں اور دیگر افسانے''(مطبوعہ ۱۹۵۳) میں شامل تقریباً تمام افسانے اسی قبیل کے ہیناس مجموعہ میں افسانوں کے علاوہ اصلاحی مضامین بھی شامل ہیں،جن کا مقصد خواتین کی صلاح ہے۔آنسہ ابراہیمؔ نے افسانوں میں اپنے خیالات کیمئوثر ترسیل کے لئے آیات قرآنی کو بھی شامل کیا۔افسانوں کا ناسٹلجک پیرایہ،اور تصوریت کی اساس پر لائی گئی ڈرامایت حقیقت سے قریب تھیم کو افسانویت کا شکار کر دیتی ہے۔افسانے''ممی''زندگی کی بھول بھلیاں،اور ''جسونتی''ان خصوصیات کے حامل افسانے ہیں۔

افسانوں کا داستانی رنگ انہیں ماورا دنیا کی کہانی بنا دیتا ہے لیکن افسانوں کے کردار ہمارے اپنے معاشرے کے نمائندہ ہوکر افسانے کو حقیقت سے قریب کر دیتے ہیں۔آپ کے افسانوں میں شامل فوق الفطرت واقعات اور غیبی آوازیں اس کی ماور افضاء کو مزید گہرا کر

تی ہیں۔میمونی تسنیمؔکی طرح آپ نے بھی زبان و بیان کے معاملے میں شمال سے کسب فیض کیا ہے۔زبان و بیان میں موجود ادبیت اور جملوں کی ساخت آنسہ ابراہیمؔ کے عمیق مطالعہ کا ثبوت ہے اور زبان و بیان کی سطح پر ان افسانوں کا ادبی قد بڑھ گیا ہے۔رسالہ''عصمت''

کے مدیر مولانا رزاق الخیریؔ''زندگی کی بھول بھلیاں''کے دیباچے میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ پلی بڑھیں بنگلور اور مدراس میں جہاں کی بولیاں تلنگی،تامل اور ملیا لم ہیں۔مگر وہ اتنی صاف ستھری سلیس شستہ اردو لکھتی ہیں کہ شمالی ہند کی کسی خاتون کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔''

{ـہ دیباچہ :از:رزاق الخیری:زندگی کی بھول بھلیاں اور دیگر افسانے :مصنفہ:ب ن آنسہ ابراہیم:صفحہ }

افسانے کو موضوع کی روایتی جکڑ بندیوں سے آزاد کرکے اسے سماجی حقیقت پسندی کا مظہر بنا دیا ہے۔ آنسہ ابراہیمؔ کے افسانوں کی ایک خصوصیت ان کا اسلوب بیان ہے اپنے دور کے روایتی افسانہ نگاروں کی روش سے گریز کرتے ہوئے آپ نے افسانہ کو غیر ضروری وضاحتوں سے پاک رکھا ہے۔''ممی،جسونتی،غزالہ،قدرت کا انتقام ،خدائی ہاتھ اور ہیرے کے آویزے''وغیرہ افسانوں میں شر اور خیر کے

درمیان تصادم ملتا ہے ا ن میں کمزور سے کمزور تر''خیر''کو فتح سے ہمکنار کرنے کے ساتھ رومانی جذبات کو بھی شامل کیا ہے۔ایک ہی افسانے میں دو متضاد حالات کا یہ سنگم قاری کو گراں نہیں گزرتا۔آنسہ ابراہیمؔ کے افسانے رسمی منظر نگاری سے پاک ہینافسانے ابتدائی جملوں سے ہی راست طور پر نفس افسانہ سے مربوط ہوتے ہینخدائی ہاتھ، غزالہ،باغی اس کی مثال ہیں۔

تھیم کی طرح کردار بھی اپنے قول و عمل کے ذریعے افسانے کو حقیقت کا اعتبار عطا کرتے ہیں۔سیفیؔ اور زرینہؔ(ممی) ڈارو تھی(ہیرے کے آویزے)غزالہؔ(غزالہ)شاہدؔ اور سہیلؔ(زندگی کی بھول بھلیاں)اس ضمن میں چند اہم کردار ہیں۔کردار ابتداء سے انجام تک افسانے میں سطر سطر متحرک نظر آتے ہینکہیں بھی ان کی موجودگی فالتو نظر نہیں آتی ۔افسانوں میں آپ کا مکالمہ نگاری پر زیادہ زور نہیں دیتیں اس کے باوجود افسانوں کا وحدت تاثر متاثر نہیں ہوتا جذبات نگاری پر بھی آپ کو عبور حاصل ہے۔باغی،جسونتی،غزالہ،رعنا اور ہیرے کے آویزے میں موجود جذبات نگاری کے مرقع ہیں۔بقول رزاق الخیریؔ

واقعہ نگاری ہی نہیں آنسہ ابراہیمؔ نے اپنے افسانوں''

میں کردار نگاری بھی اچھی کی ہے اور جذبات نگاری بھی۔''

روز مرہ زندگی سے جڑے واقعات پر مشتمل افسانوں کی زبان پر شمالی رنگ غالب ہے۔فاضل مصنفہ کہانی اور کردار نگاری کو اپنے خیالات کا پابند بنائے بغیر تھیم کے مطابق کرداروں کو انجام کی طرف بڑھنے کا موقع دیتی ہیں اور افسانے کے آخر میں حالات کا تجزیہ کرکے فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتی ہیں۔خوش حال گھرانے کی پروردہ آنسہ ابراہیمؔکی شخصیت کا پر تو افسانوں میں بھی جھلکتا ہے۔تقریباً تمام افسانے خوش حال گھرانے کے افراد کی کہانی لگتے ہیناسے آنسہ ابراہیمؔ کی فنی دیانتداری کا ثبوت کہہ سکتے ہینکیونکہ آپ انہیں حالات کی عکاسی کی جس کا آ پ نے قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔

اس طرح کرنا ٹک میں اردو فکشن کے فن کو فروغ دینے میں خواتین ادبا کا اور خاص کر ان چار خواتین فکشن نگاروں کا بہت بڑا رول رہاہے جن کی وجہ سے کرناٹک کا اردو ادب نہ صرف فروغ پایا ہے بلکہ ملک کے ادب میں ایک خاص جگہ بنا لیا ہے ۔